# فلسفہ ہند کے بنیادی تصورات

## (تاریخی تناظر میں)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ڈاکٹر آصف اقبال خاں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

فلسفہ ہند کے بنیادی تصورات کو کسی فکری روایت سے زیادہ ہندو مذہب' معاشرتی بودو باش' شعر و ادب اور تہذیبی روایات سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ الہیات اور مابعد الطبیعیات فلسفیانہ دلائل کے بجائے اساطیری عقائد اور عبادات کی شکل میں تصوراتی روپ دھار لیتے ہیں۔ خود ہندو مذہب میں رسوم و رواج' عقائد اور عبادات کا کوئی مثالی' معیاری اور مستقل نمونہ نہیں ملتا۔ اس پر طرہ یہ کہ فکری مسائل کو سنسکرت کی دقیق زبان میں "ستروں" کا حصہ بنا دیا گیا جن کا مفہوم واضح کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

ایک عام قاری کے ذہن میں ہندو فکر کا جو خاکہ بنتا ہے' اس میں رامائن اور مہابھارت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسے ان تمثیلاتی کہانیوں میں رام چندر اور کرشن جیسے متاثر کن کرداروں سے واسطہ پڑتا ہے جنہیں وشنو کے اوتار کے طور پر پیش کیا گیا ہے' لیکن علمی اور نظری سطح پر ہندو فلسفے اور ادب کو مندرجہ ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ شروتی یا الہامی جس میں ویدوں کے گیت' برہمنہ اور اپنشد کے باب شامل ہیں۔

۲۔ سمرتی یا فکری یعنی غیر الہامی افکار' فلسفہ' اخلاقیات' قانون اور دیو مالائی ادب وغیرہ۔

وید (VEDAS) کا شمار ہندوؤں کے قدیم ترین ادب (۱۵۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م) میں ہوتا ہے۔ علم و حکمت کی ان کتابوں کی تعداد چار بتائی جاتی ہے۔ رگ وید (RIG VEDA) ان میں سب سے قدیم اور اہم خیال کی جاتی ہے۔ اس میں الہیات' مابعد الطبیعیات' اخلاقیات' علم الاساطیر' قانون اور ذات پات سے متعلق موضوعات بیان کیے گئے ہیں۔ سم وید (SAMA VEDAS) بھجنوں کا مجموعہ ہے جبکہ یجروید (YAJUR VEDA) میں مذہبی رسوم کے طریق و ضوابط کا تذکرہ ملتا ہے۔ اتھروید (ATHARA VEDA) میں مذہبی امور اور گھریلو رہن سہن کے معاملات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان ویدوں میں داخلی (ESOTERIC) اور خارجی (EXOTERIC) امور شانہ بشانہ چلتے ہیں۔ "کرم کنند" دیوتاؤں کی توصیف اور رسم و رواج پر مبنی بھجن ہیں جبکہ "گیان کنند" میں داخلی پہلو غالب نظر آتا ہے۔ ہروید کو تین ابواب میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی سنہتا (SANHITA)' براہمنہ (BRAHMANA) اور اپنشد

(UPANISHAD)- ہر باب موضوع کے اعتبار سے مخصوص اہمیت کا حامل ہے۔ سنتہ انسان، خدا اور فطرت کے باہمی ربط کے بیان اور براہمہ قربانی کی رسومات اور مکتی (نجات) کے طریقوں کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ ہندو مذہب کی روایت میں انسان اور دیوتا ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ معاشرتی و معاشی بہتری، صحت و درازی عمر، فتح و نصرت اور نیکی کے حصول اور شر سے تحفظ کی خاطر انسان دیوتاؤں کے دست نگر ہیں جبکہ دیوتا بالیدگی اور نشوونما کے لیے قربانی کے طالب ہوتے ہیں۔ خود قربانی ایک آفاقی طلسم کے مانند ہے کہ اگر اسے صحیح طور پر ادا کیا جائے تو دیوتاؤں کو بھی مائل بہ کرم کر دیتی ہے۔ مکتی کے حصول کے لیے قربانی ایک ناگزیر شرط ہے۔ ہندو عقائد کے مطابق ان رسومات کے دوران میں جو منتر پڑھے جاتے تھے، برہمنوں کے سوا کوئی دوسرا ان پر عبور نہیں رکھتا تھا اور یہ علم نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا تھا۔ اس علمی و مذہبی برتری نے برہمنوں کو ہندو معاشرے میں حاکمیت کے درجے پر فائز کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ہندو سماج میں استحصالی دور کا آغاز ہوا جو منطقی طور پر ذات پات کے نظام پر منتج ہوا۔

اپنشد کے اصطلاحی معنی "برہمہ گیان" حاصل کرنے یا جہالت دور کرنے کے ہیں۔ آتما (HUMAN SOUL) اور برھمنہ (UNIVERSAL SOUL) کا تعلق واضح کرتے ہوئے روح کی چار حالتوں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی (۱) بیدار روح (۲) خواب کی حالت (۳) گہری نیند اور (۴) تریا۔ تریا حواس سے آزاد ہونے اور حقیقت مطلقہ کو جان لینے کے لیے انسان کے مقصد منتہی کی حیثیت کا حامل ہے جہاں برھمنہ کو آتما میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اپنشد میں قدیم آریائی دیوتاؤں کی کثرت کے بجائے صرف ایک ہستی برھمنہ (BRAHMAN) کا تذکرہ ملتا ہے۔ دراصل برھمنہ اور آتما ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پرتو ہیں۔ برھمنہ گیان سے انسان خود برھمنہ ہو جاتا ہے یعنی اس میں برھمنہ کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس رتبے تک رسائی حاصل کرنے کے لیے دم (ضبط نفس)، دان (ایثار)، دیا (شفقت)، جاپ (ذکر)، تپ (مجاہدہ) اور دھیان (مراقبہ) کی شرائط پر پورا اترنا لازم ہے۔ علاوہ ازیں انسان کے وہ حقیقی اور ازلی دشمن جو اس کی اپنی ہی ذات میں چھپے ہوتے ہیں یعنی کام (شہوت)، کرودھ (غضب)، موہ (حرص) اور لوبھ (طمع) اس ارفع مقام کے حصول میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

مشہور زمانہ "بھگوت گیتا" کا ماخذ بھی اپنشد ہی کو مانا جاتا ہے جس میں برہمہ، آتما اور سنسار (کائنات) کا باہمی تعلق فلسفے اور تصوف کی اصطلاح میں واضح کیا گیا ہے۔ اپنشد ہی کے رنگ میں یہاں برہمہ کے غیر مادی تصور کے برعکس اس کا ایک مادی پیکر پیش کیا گیا ہے تاکہ عام لوگوں کو

مختلف واقعات کی مدد سے مذہبی تعلیمات کے ساتھ متعارف کرایا جا سکے۔ اپنشد کے مقابلے میں بھگوت گیتا کی فلسفیانہ معنویت زیادہ قابل ذکر نہیں۔

ذات پات کا تصور ہندو معاشرتی نظام کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس نظام میں برہمنوں کو سب سے افضل مقام حاصل ہے اور انہی کے واسطے سے مذہبی رسوم و عقائد اور فلسفیانہ تصورات عوام الناس تک پہنچتے ہیں' چنانچہ عقلی اور روحانی' دونوں حوالوں سے انسانوں میں برابری اور مساوات کا تصور خارج از امکان ہو جاتا ہے اور بلاامتیاز ذات ایک ہی مقصد اور روحانی مرتبے کے حصول کی کوشش ایک غیر فطری فعل قرار پاتا ہے۔ ہر شخص کے لیے حقیقت کی ماہیت اور ادراک اس کی ذاتی حیثیت کا رہین منت ہے۔ حقیقت کل کا ادراک بعض منتخب افراد کے لیے مخصوص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنا مقام محض اپنی محدود قابلیت اور حیثیت کے مطابق ہی حاصل کر پاتا ہے۔ یہ تمام دلائل ذات پات کے نظام کے فلسفیانہ جواز اور توجیہہ کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

گیتا میں بھی ہر انسان کو اپنی ہی "ذات" کے مطابق کاموں تک محدود رہنے کی تلقین کی گئی ہے خواہ وہ دوسری ذاتوں کے مختص کام بھی بہتر طور سے سرانجام دینے پر دسترس رکھتا ہو۔ ہندو روایت کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے دھرم پر مضبوطی سے قائم رہے تو وہ ابدی نجات کا سزاوار قرار پائے گا۔ ایسی نجات (مکتی) کی منزل تک پہنچنے کے لیے گیتا میں تین راستے تجویز کیے گئے ہیں : ا۔ گیان مرگ (علم کا راستہ) ۲۔ بھگتی مرگ (عشق کا راستہ) اور ۳۔ کرم مرگ (عمل کا راستہ) لیکن نفسیاتی دقت نظر اور مذہبی معنویت کے باوصف ایک سائنسی' منطقی اور فلسفیانہ ذہن کے لیے گیتا بھی بہت سی خامیوں اور تضادات کی حامل ہے۔ آتما اور برہما کے متضاد تصورات ذات پات کے نظریے کا پرچار اور خودکشی کے فلسفے کی کمزوریوں نے ہندوؤں کے سرتی ادب کی اس اہم نمائندہ کتاب کی بہت سی خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔

برھمن اور اپنشد کا دور قدیم ہندوستان میں روحانیت کا دور سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے بعد ردعمل کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس میں تشکیک' تنقید اور انحراف کے رجحانات جنم لیتے ہیں۔ معاشرتی اور سماجی تغیرات نے ویدوں کے خلاف شکوک و شبہات کو جنم دیا اور مروجہ مذہبی اور فلسفیانہ عقائد و نظریات پر نکتہ چینی شروع ہو گئی۔ بدلے ہوئے حالات نے نئے افکار کی راہ ہموار کی اور ازمنہ قدیم ہی میں چارواک' جین مت اور بدھ مت جیسے جدت پسند مکاتب فکر کی بنیاد رکھی گئی جنھوں نے قدامت پرستی کے برعکس اپنے افکار و خیالات کو نئے خطوط پر استوار

کیا۔ ان کی غیر روایتی اور غیر منقولی روش کے باعث انہیں ناستک (NASTIKA) یا مذہب سے روگردانی کرنے والا سمجھا گیا۔

## فلسفہ چارواک (CARVAKA)

چار واک کا فلسفہ ویدوں کے خلاف رد عمل کی واضح مثال پیش کرتا ہے۔ مادیت پرستی کا یہ غیر روایتی فلسفہ بڑی فکر انگیز اور انقلابی خصوصیات کا حامل تھا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے حکمرانوں نے ان نظریات کو زبردستی دبانے کی کوشش کی۔ ناموافق حالات میں چار واک کا اصل لٹریچر امتداد زمانہ کی نظر ہوگیا۔ یہ تاریخ کی عجب ستم ظریفی ہے کہ ان کے افکار مخالفین کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں۔

چار واک فکر کا محور ان کا نظریہ علم ہے جس کی بنیاد حسی ادراک پر رکھی گئی ہے۔ حواس پر فوقیت کے دعوے شکوک و شبہات کو تو جنم دے سکتے ہیں لیکن انسانی فکر کو سچائی اور حقیقت سے ہمکنار نہیں کرسکتے۔ ہر وہ استدلال جو عمومی قضیوں سے نتائج اخذ کرتا ہے' ہمیں صحیح علم سے دور لے جاتا ہے۔ ایسا استدلال آفاقی صداقتوں اور عمومی تصورات پر مبنی ہوتا ہے جن کا ادراک کبھی ممکن نہیں ہوا اور ان کا ثبوت بھی فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ اس طریق کار سے جو بھی شہادت اور دلیل حاصل کی جائے گی' غیر معتبر' غیرواجب اور یک طرفہ ہوگی۔ اسی طرح چارواک کا نظریہ تحلیل کسی غیر متغیریا اٹل' علت کے وجود کو برداشت نہیں کرتا۔ ہر واقعہ خود اختیاری اور حادثاتی طور پر رونما ہوتا ہے اور اس کے لیے کسی ماورا ہستی کا وجود ضروری نہیں۔

چار واک فلسفے میں عناصر اربعہ یعنی مٹی' پانی' ہوا اور آگ کو بنیادی اور ازلی حیثیت حاصل ہے۔ زندگی کا ظہور اور اشیاء کا وجود مادے کی انہی حالتوں کا رہین منت ہے۔ شعور جسم کی ایک کیفیت کا نام ہے جو مادے کے ذروں سے اس وقت تخلیق پاتا ہے جب وہ پراسرار طور پر آپس میں مل کر عضو یہ تشکیل دیتے ہیں۔ آتما' پران جیسے روحانی عنصر کا کوئی وجود نہیں جو شعوری تجربوں کو مرکوز کرنے کا کام کرے' روح اور جسم میں کوئی فرق نہیں۔ جسم کی تباہی سے شعور بھی فنا ہو جاتا ہے' چنانچہ مکتی' آواگون' کرما اور نروان جیسے تصورات چارواک کے لیے خارج از بحث قرار پاتے ہیں۔ روح کے علیحدہ وجود سے انحراف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان خوشی اور غم سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے نجات کا حصول دراصل جسم کے گل سڑ کر معدوم ہو جانے میں پنہاں ہے۔ اس دنیا سے ماورا جنت یا دوزخ کا کوئی وجود نہیں' یہ بالترتیب خوشی اور دکھ کی کیفیات کے مختلف نام ہیں' لہٰذا دیوتاؤں کی خوشنودی کے حصول کی کوشش' مذہبی رسومات

20731



اور سورگ کی تلاش سب وقت کا ضیاع ہیں- انسان کو ابدی دنیا کے لالچ میں اپنی زندگی کو جہنم نہیں بنانا چاہیے بلکہ زندگی کی خوبصورتیوں اور رعنائیوں سے لطف اندوز ہونا چاہیے- چار واک کا فلسفہ مادیت پسند لذتیت (HEDONISM) کی طرف مائل ہے- انسانی زندگی کا بنیادی مقصد مادی عیش و آرام کا حصول ہے' گو خالص خوشی کا حصول ممکن نہیں اور ہر خوشی میں غم کی ملاوٹ ہوتی ہے- مسرت کا اتھاہ سمندر رنج کے عمیق پانیوں سے گزر کر ہی حاصل ہوتا ہے' اسی طرح جیسے شدید اشتہا کھانے کا لطف دوبالا کر دیتی ہے-

چارواک کے نظریات ہندو فلسفے میں نزاعی حیثیت کے حامل رہے ہیں- خصوصاً ان کا یہ دعویٰ کہ وید ابہام' تضادات اور بعید القیاس توضیحات سے بھرے ہوئے ہیں اور ایک کتاب کا متن دوسری کتاب کی عبارت کی نفی کرتا ہے' مستحکم اور مروج عقائد کے خلاف بغاوت کا درجہ رکھتا ہے- دراصل چار واک کا فلسفہ قدیم توہمات اور تعصبات کے خلاف رد عمل کا ایک اظہار ہے جس میں روحانیت کے پرچار کے برعکس زندگی کی مادی حقیقتوں کا اقرار کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس مکتب فکر نے ہندو فلسفے کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے-

## جین مت (JAINA DARSANA)

جین مت کا فلسفہ حالانکہ چار واک کے نظریات جیسی انقلابی فکر کا پرچار نہیں کرتا' تاہم برہمنی فوقیت کے خلاف رد عمل کا اظہار اس میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے- اس کے باوجود جین مت اپنشد اور ویدوں کے شعوری اور غیر شعوری اثرات سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نظر نہیں آتا- یہی وجہ ہے کہ یہ نظریہ مسئلہ آواگون' کرما کے تصور' نفس کشی (بھوگ تیاگ) اور مادی دنیا سے انکار اور فرار کی مدد سے مکتی حاصل کرنے کو اپنے عقائد کا حصہ بنا لیتا ہے- دوسرے ہندو مکاتب فکر کی طرح یہاں بھی صحیح عقیدہ' صحیح علم اور صحیح عمل نجات (SOLVATION) کے لیے لازمی شرائط کی حیثیت رکھتے ہیں اور نجات اسی وقت ممکن ہے جب یہ تینوں اجزا انسانی فطرت کا جزو لاینفک بن کر باطنی تطہیر اور پاکیزگی کا ذریعہ بن جائیں-

جین مت کی بنیاد دو اساسی تصورات پر قائم ہے--- ایک "اہنسا" (AHIMSA) اور دوسرا "انیک آنتا وادا" (ANEKANTA VADA)- اول الذکر محض عدم تشدد کے منفی تصور تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی بنیاد اس آفاقی اور عالم گیر فضیلت پر رکھی گئی ہے جس کے تحت تمام بنی نوع انسان محبت کے ایک مسلمہ اور مثبت رشتے میں بندھے ہوئے ہیں- اہنسا کے مقبول

عام نظریے کے مقابلے میں "انیک آنتا وادا" کا مابعد الطبیعیاتی نظریہ فلسفیانہ طور پر زیادہ دقیق ہے۔ جین فلسفے کے مطابق حقیقت مطلقہ بناوٹ اور ساخت کے لحاظ سے مرکب اور غیر مفرد ہے اور اس کی ماہیت کو جانچنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے گوناگوں نظریوں اور زاویوں سے پرکھا جائے۔ اس نظریے کے مطابق حقیقت وہ چیز ہے جسے تغیر میں ثبات، تفاوت میں تشخص اور کثرت میں وحدت کا مرتبہ اور منزلت حاصل ہے۔ اس حوالے سے جین فلسفے کے مفسر حقیقت کو تین تہوں میں چھپا ہوا دیکھتے ہیں--- یعنی ظہور (APPEARANCE)، غیوب (DISAPPEARANCE) اور ثبات (PERSUANANCE)_ حقیقت کے اس وسیع اور محتوی نظریے میں ہیگل کی جدلیات کے ساتھ صریح مماثلت آشکار ہے۔

جین فلسفے میں "آستی ناستی وادا" (ASTI NASTI VADA) کا نظریہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے مراد کسی حقیقت کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بیک وقت متضاد دعوے کرنے کے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک ہی شے میں بیک وقت متضاد خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس جین فلسفے کے مطابق ایک چیز کو ہم ایک زاویے سے موجود اور دوسرے پہلو سے غیر موجود کا وصف دے سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایک ہی شے کے بارے میں "سالبہ" اور "موجبہ" قضیوں کو بامعنی اور درست انداز میں استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت اشیاء کے چاروں پہلوؤں جوہر، زمان، مکان اور صورت کے حوالے سے کی جا سکتی ہے۔ کسی بھی چیز میں ایک وقت میں ایک جوہر تو موجود ہے، جبکہ دوسرا غیر موجود۔ وہ ایک زمان میں اور ایک مکان میں اپنا وجود رکھتی ہے، اور دوسرے میں نہیں۔ ایک صورت میں اس کا ظہور ہوتا ہے، دوسری شکلوں میں نہیں۔

جین مت کے نظریہ علم میں پانچ ذرائع علم کا ذکر کیا گیا ہے۔ متی (MATI) یا علم بذریعہ حواس، شروتا (SARUTA) یا الہامی کتب کا علم، اودھی (AVADHI) یا ان اشیا کا علم جو زمانی اور مکانی لحاظ سے ادراک و احساس کی دسترس میں نہ ہوں، منہ پریایا (MANAH-PARYAYA) یا دوسروں کی ذہنی کیفیات کا درک، اور کیوالا (KEVALA) یا معرفہ کلیہ یا مکمل علم۔ علم کی پہلی دو اقسام بالواسطہ اور باقی بلاواسطہ کی مد میں آتی ہیں۔ آخر الذکر محض ایسی ارواح کی دسترس میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے وجود کی حقیقت کو پا لیا ہو اور خود کو "کرما" کے بندھن سے آزاد کر لیا ہو۔ حقیقت کا یہ لامحدود اور مکمل علم زمان و مکان کی قیود سے آزاد اور ماضی، حال اور مستقبل کے امتیازات سے عاری ہوتا ہے۔ جین کا نظریہ علم اور

مقصود علم میں واضح فرق قائم رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ داخلی عینیت کے نظریے سے اختلاف کرتے ہیں۔ جین کے مطابق علم دماغ کی تخلیق محض ہے۔ جین فلسفے میں خارجی دنیا کی مادی اشیاء کا وجود ان کے علم پر مبنی نہیں بلکہ وہ ایک آزاد وجود کی حامل ہیں۔

ہندوستان کے دوسرے مکاتب فکر کی روایت کے مطابق جین مت بھی نجات کے راستے کا تعین کرتا ہے جس میں صحیح عقیدہ، حقیقی علم اور مناسب کردار کو اہمیت دی گئی ہے۔ روحانی پہلو میں ترقی کے ساتھ ساتھ ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں یہ تینوں فرد کی فطرت کے داخلی خواص کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس سطح پر آتما' پرماتما (PRAMATMA) یا ارفع روحانی ہستی کا درجہ حاصل کر لیتی ہے جو کہ مذہبی زندگی کا مطمع نظر اور منزل مقصود ہے۔ جین مت نے ذات پات کے نظام کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کے مطابق تمام لوگ پیدائشی طور پر ہم مرتبہ اور برابر ہیں اور انہیں ان کی استعداد و قابلیت اور رجحان کے مطابق اخلاقی اور سماجی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔

## بدھ مت (BUDDHISM)

گوتم بدھ (GAUTAMA BUDDHA) ۶۰۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ اس وقت کا معاشرہ قدیم مذہبی عقائد اور روایات سے دور ہٹ رہا تھا۔ مذہب کی بنیادی روح سے زیادہ رسوم و رواج کو اہمیت حاصل تھی اور ویدوں پر برہمنوں کی اجارہ داری نے ہندوؤں میں پروہتائی نظام کو نافذ کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا' چنانچہ اس وقت کی تحریروں میں ویدوں کی تضحیک و تنقید کا رجحان نظر آتا ہے۔ اسی طرز کا رویہ ہمیں بدھ مت سے متعلق کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ مت میں "آتما" اور "برہمہ" کا کوئی تصور موجود نہیں' تاہم اسے ویدوں کے اثرات سے مکمل طور پر پاک سمجھنا بھی غلط ہوگا جیسا کہ اس نظریے میں آواگون' کرما اور نروان کے تصورات کی اہمیت سے ثابت ہوتا ہے۔

گوتم بدھ کی نظر میں یہ مادی زندگی غم و اندوہ اور مصائب و آلام کا مرقع ہے اور اس دائمی دکھ کا تعلق معاشی' سماجی یا سیاسی حالات سے زیادہ خواہشات کے حصول سے ہے' اور اس کی بنیاد خود انسانی زندگی کی ماہیت اور اصلیت میں پنہاں ہے۔ ہر چیز حتیٰ کہ روحیں بھی ناپائیدار اور سریع الزوال ہیں۔ ہر چیز تغیر پذیر ہے اور ثبات ایک سراب ہے۔ گوتم بدھ کے خیال میں متغیرات کے تہ میں موجود حقیقی (ONTOLOGICAL REALITY) کے وجود کی تلاش عبث ہے۔ اسی حوالے سے وہ اپنشد کے اس نظریے کی نفی کرتا ہے کہ آتما ایک حقیقی وجود کے طور پر جسم کے

اندر موجود ہوتی ہے۔

گوتم بدھ کی تعلیمات میں کرما، آواگون اور نروان کے تصورات آپس میں باہم مربوط و مبسوط ہیں۔ کرما کا قانون تعلیل وہ مابعد الطبیعیاتی اصول ہے جو انسان کی فطرت کے ایک بنیادی عنصر کی نشاندہی کرتا ہے۔ انسان اپنے اعمال کے گرداب میں اس طرح پھنسا ہوتا ہے کہ حال اور مستقبل کو اس کے ماضی سے کسی صورت میں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ کرما کے اس بھنور سے نجات صرف نروان ہی کے توسط سے ممکن ہے جو حیات و موت کے اس دائرہ سلسلے ہی کو ختم کر دیتا ہے۔ نروان کے لفظی معنی ہی بجھا دینے یا فنا کر دینے کے ہیں لیکن اس کو مثبت مفہوم میں آنند، سکون اور تکمیل کی کیفیت بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کیفیت کے حصول کے لیے خود انضباطیت کا ایک مکمل ضابطہ وضع کیا گیا ہے جس میں عقیدے، ارادے، قول و فعل، بود و باش، سعی و کوشش، سوچ اور ارتکاز کے صحیح واجب ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ صحیح طرز زندگی کا یہ ضابطہ عام آدمی اور مذہبی پیشواؤں کے لیے مختلف نوع کی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلی چار خصوصیات کا اطلاق عوام الناس پر ہوتا ہے اور آخری چار گن پروہتوں کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔

عملی زندگی میں گوتم بدھ ایک دوسرا نظام پیش کرتا ہے۔ فضائل و رذائل کی دو سطحی فہرست مرتب کی گئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عمومی اور خصوصی مذاہب کو متوازی خطوط پر وضع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نتیجہ" عام انسانوں کے لیے "آواگون" کے مسلسل عمل سے، جس میں گناہوں کا پورا کفارہ ادا کرنے تک انسان لگاتار دوسرا جنم لینے پر مجبور ہے، چھٹکارا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ ترک دنیا کر کے راہب (MONK) کے رتبے پر فائز نہیں ہوتا۔ برہمن کا درجہ اسے حاصل ہوتا ہے جس نے دنیاوی تعلقات سے منہ موڑ لیا ہو، جسے خود پر مکمل اختیار ہو، جو حقیقت اور سچائی سے اٹوٹ رشتہ قائم رکھے اور جس نے رذائل اور بغض و عناد سے ناتا توڑ لیا ہو۔

بدھ مت کو عموماً دو بڑے مذہبی مکاتب فکر میں تقسیم کیا جاتا ہے: (ا) روایتی راسخ العقیدہ نظریہ جو "ہنایانا" بدھ مت (HINAYANA BUDDHISM) کہلاتا ہے، اور (۲) ترقی پسند غیر روایتی نظریہ یا "مہایانا" بدھ مت (MAHAYANA BUDDHISM)۔ اول الذکر قانون "کرما" پر سختی سے قائم رہتے ہوئے خدا کے وجود سے بالکل انکار کر دیتا ہے اور فرد خود اپنی سعی و کوشش سے صراط مستقیم پر چلتے ہوئے مکتی حاصل کر لیتا ہے۔ فلسفیانہ تناظر میں یہ ایک قسم کی مظہریت (PHENOMENALISM) کا نظریہ پیش کرتے ہوئے جوہر یا مفرد اکائی کے تصور کی

نفی کرتا ہے۔ یہی منفی رویہ "ہنایانا" بدھ مت کی غیر مقبولیت کا بنیادی سبب بنا۔۔ "مہایانا" بدھ مت نے ان نقائص سے بچتے ہوئے ایک حقیقت پسندانہ نظریہ وضع کرنے کی کوشش کی۔ خیالی سطح پر ذاتی نجات کی جگہ تمام مدرک بالحواس انسانوں کی نجات کا تصور دیا۔ حقیقت ماورا اور بدھ کے تطابق سے خدا کے تصور کو بحال کیا اور کم از کم ماورا اور مافوق روح یا مہا آتما کے وجود کو حقیقی ثابت کیا۔ بدھ مت کے زیر اثر مختلف دوسرے فلسفیانہ مکاتب فکر نے جنم لیا جو اپنے اپنے مابعد الطبیعیاتی حوالوں سے علم الوجود اور نظریہ علم کے بارے میں دقیق اور پیچیدہ نظریات اور عقائد کا اظہار کرتے ہیں جن کا ذکر اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں۔

## ہندو مکاتب فکر

۶۰۰ ق م سے ۲۰۰ ق م تک کا دور فلسفہ ہند میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی دوران مختلف النوع مکاتب فکر کو فروغ حاصل ہوا۔ مہا بھارت' رامائن' بدھ مت' جین مت' چار واک' حتیٰ کہ ہندوؤں کے چھ (۶) مشہور فلسفیانہ نظام "درشان" (DARSANA) بھی اسی دور میں تشکیل و وضع کیے گئے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ دور ویدوں کے خلاف رد عمل' تشکیک اور غیر روایتی نظریات کا دور تھا' تاہم ڈاکٹر ہائن کی رائے اس سلسلے میں بڑی اہم ہے کہ

"ہندوستان میں فلسفے کا آغاز دیو مالائی تصورات کو پس پشت نہ ڈال سکا اور اسے غیر عقلی یا غیر منطقی کہہ کر رد نہیں کرتا بلکہ برہمن' اپنشد اور بھگوت گیتا میں ہمیں مابعد الطبیعیات' باطنیت اور دیومالائی تصورات کا بھرپور ملاپ نظر آتا ہے۔"

مغربی نقاد فلسفہ ہند کو قدیم فکر و نظر' دیومالائی تصورات و تخیلات اور مذہبی عقائد کا مجموعہ خیال کرتے ہیں جس میں عقلیت کی نسبت رومانوی پرتو غالب نظر آتا ہے۔ تنقیدی اور فلسفیانہ تجزیے کی غیر موجودگی میں ایک جمود اور ٹھہراؤ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو عالموں نے ویدوں کو الہامی سمجھ کر اپنی تشریح و تعبیر کو عموماً اپنے تک ہی محدود رکھا۔ ناقدین کے الزام میں کسی حد تک سچائی ضرور ہے' خصوصاً ویدوں اور بھگوت گیتا کے بارے میں یہ تنقید بڑی حد تک مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم فلسفہ نیائے و یشکا اور سانکھیہ کو بنظر غائر دیکھتے ہیں تو یہ الزام بعید از حقیقت نظر آتا ہے۔

ہندو فلسفے کا قدیمی سرمایہ ہندوستان کے قدیم مذہبی' تمدنی اور انسانی فکر کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اور اس کی مدد سے اس دور کے باشندوں کے ذہنی ارتقا کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ اس فلسفے میں نظریہ پسندی سے ہٹ کر قول اور فعل' علم اور عمل میں کامل ہم آہنگی پر جو

زور دیا جاتا ہے، وہ اسے مغربی فلسفے سے ممیز کرتا ہے۔ یہاں تنقید اور تجزیے کی جگہ تزکیہ نفس، مراقبے اور استغراق کو اہمیت حاصل ہے۔ جن کے بغیر کوئی شخص "ودیا" یا "گیان" کے روحانی درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہندو فلسفے کے تمام مکاتب فکر میں یہ بات مشترک ہے کہ ہم رنج و غم سے کیسے رہائی حاصل کرسکتے ہیں۔ ہندو روایات کے مطابق حقیقت ایک ہی ہے لیکن اس کی مختلف تشریحات ہیں جنہیں چھ "درشناں" بھی کہا جاتا ہے۔ "درشناں" کے لفظی معنی دیکھنے کے ہیں۔ اصطلاحی مفہوم میں اس سے ہندو فلسفے کے چھ مشہور مکاتب فکر مراد لیے جاتے ہیں۔

## فلسفہ نیائے (NAYAYA)

لفظ نیائے کے لغوی معنی "موزونیت" اور "مناسبت" کے ہیں۔ دوسرے ہندو مکاتب فکر کی طرح یہاں بھی اصل مقصد "نجات" ہے جو حقیقت مطلقہ کے ادراک سے حاصل ہوتی ہے، تاہم فلسفہ نیائے اور دوسرے نظریوں میں اہم فرق یہ ہے کہ غیرواضح اور مبہم علامتوں کے بجائے اس میں نظریات کی منطقی توجیہہ اور تحقیقی طریق پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں ہمیں استدلال کے اصول بھی بتائے گئے ہیں جو کسی مسئلے کی فلسفیانہ توجیہہ کے لیے ازحد ضروری ہیں۔

پانچ جلدوں پر مشتمل تصنیف "نیائے سوترا" میں موسس گوتم نے فلسفہ نیائے کے بنیادی نظریات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ گوتم کے خیال میں "مکتی" عقل کے ذریعے اشیا کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس معرفت یا علم کے چار ذرائع ہیں: (۱) حواس (۲) قوت فکر یعنی استدلال اور استنتاج (۳) موازنہ اور تطبیق اور (۴) حکما کے اقوال۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے منطقی ثبوت اور استدلالی طریق کار ضروری ہوتے ہیں جنہیں گوتم پانچ (۵) حصوں میں تقسیم کرتا ہے، یعنی: (۱) بیان (۲) ثبوت بیان (۳) ثابت شدہ عمومی قضیہ (۴) حقیقت کا ثبوت بیان سے تعلق اور (۵) نتیجہ۔

بظاہر یہ نظریات فلسفیانہ اصطلاحات اور منطقی توجیہات کا لبادہ اوڑھے نظر آتے ہیں جبکہ موضوع کے لحاظ سے یہاں بھی زیادہ اہمیت آتم (روح) اور سریر (جسم) کے تضاد اور ارتباط کو دی گئی ہے۔ آتما ایک جوہر ہے جو سریر سے منفرد و منفصل ہے۔ یہ ابدی اور دائمی عنصر زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ اس کی بنیادی صفت عقل یا علم ہے۔ مادہ شعور سے عاری ہے، اور شعور کی صفت فقط آتما کے لیے مخصوص ہے۔ جسم، آتما کی وجہ سے زندہ ہے۔ روح، حواس کو گیان کی روشنی سے مالا مال کرتی ہے۔ زندگی دراصل روح اور جسم کے ارتباط کا دوسرا نام ہے۔ روح کی نشوونما کے لیے حقیقی علم کی ضرورت ہوتی ہے جو مسلسل مطالعے اور فلسفیانہ مسائل پر پیہم

فکر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح حکمت و دانائی میں نکھار پیدا ہوتا ہے' حتیٰ کہ انسان ہر قسم کے دھوکے یا فریب (سراب) سے بچ کر اپنے اندر نادیدہ (UNSEEN) حقیقت کو پالیتا ہے۔

نیاے کے قدیم نظریات میں "کرما" کی قوت اور ظہور ثانی (تناسخ) کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ یہاں خدا کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ مادے اور روح کو ابدی حیثیت حاصل ہے۔ خدا' علت العلل اور نگہبان سے زیادہ اہمیت اور حقیقت کا حامل نہیں۔ وہ کسی شے کو نیستی سے ہستی میں نہیں لاتا بلکہ چیزوں کو نظم و ضبط اور قالب و صورت سے مزین کرتا ہے۔ بعدازاں فلسفہ نیاے میں خدا کو منفرد روح اور علیم و قدیر کے طور پر بھی پیش کیا گیا جہاں سے "ویشکا" سے اس کی مماثلت کا سراغ بھی ملتا ہے۔

## فلسفہ "ویشکا" (VAISESIKA)

سنسکرت کا لفظ "ویش" ویشکا کا ماخذ ہے جس کے لغوی معنی ان خواص کے ہیں جو کسی خاص شے کو دوسری اشیاء سے ممتاز کرتے ہیں۔ "ویشکا سوترا" کی مصنف کنادرا نے اس فلسفے کے بنیادی تصورات کو قلم بند کیا ہے۔ اس کے مطابق متغیر مادی دنیا جواہر کے ملاپ سے پیدا ہوئی جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ عقل کی مدد سے ہم بے ربط چیزوں کی تزئین و ترتیب کرتے ہیں۔ حقیقت کا معیار یہ ہے کہ جب موضوعِ فکر کا تعلق معروضی دنیا سے ہو تو حقیقت کا اظہار وجود کے حوالے سے ہوتا ہے۔ جو شے "حقیقی" ہے' اس کا وجود بھی ہوگا اور اسے جاننا بھی ممکن ہوگا۔ جب ہماری اندرونی اور بیرونی دنیا میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

عقلی موشگافیاں اور مابعد الطبیعیاتی مفروضے "ویشکا" نظریات میں اتنی اہمیت کے حامل نہیں۔ ان کی توجہ زیادہ تر انسانی زندگی کے بنیادی مقاصد پر مرکوز رہی ہے۔ ان کا بنیادی مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ فطرت کی اساس اور ماہیت کیا ہے۔ ان کی نظر میں فلسفیانہ بصیرت کے عملی پہلو زیادہ اہم ہوتے ہیں' چنانچہ وہ تجربات کے تجزیے اور تحلیل و ترکیب پر زیادہ زور دیتے ہیں تاکہ اشیاء کی اصل حقیقت کو عقلی طور پر بیان کیا جاسکے۔

فلسفہ ویشکا مادی دنیا کو نو (۹) بنیادی جواہر (SUBSTANCES) میں تقسیم کرتا ہے یعنی آگ' پانی' ہوا' مٹی' زمان' مکان' روح اور نفس۔ یہ عناصر چیزوں کو وجود میں لانے کا سبب بنتے ہیں' اور ان سے آگے عقل اور ذہن کی رسائی ممکن نہیں۔ کنادرا نے زندگی کے بارے میں مغالطوں کو سادہ اور دلنشیں پیرائے میں بے نقاب کیا ہے۔ اس کے خیال میں غیر مرئی طاقتیں

فکر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح حکمت و دانائی میں نکھار پیدا ہوتا ہے' حتیٰ کہ انسان ہر قسم کے دھوکے یا فریب (سراب) سے بچ کر اپنے اندر نادیدہ (UNSEEN) حقیقت کو پالیتا ہے۔ نیاے کے قدیم نظریات میں "کرما" کی قوت اور ظہور ثانی (تناسخ) کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ یہاں خدا کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ مادے اور روح کو ابدی حیثیت حاصل ہے۔ خدا' علت العلل اور نگہبان سے زیادہ اہمیت اور حقیقت کا حامل نہیں۔ وہ کسی شے کو نیستی سے ہستی میں نہیں لاتا بلکہ چیزوں کو نظم و ضبط اور قالب و صورت سے مزین کرتا ہے۔ بعدازاں فلسفہ نیاے میں خدا کو منفرد روح اور علیم و قدیر کے طور پر بھی پیش کیا گیا جہاں سے "ویشکا" سے اس کی مماثلت کا سراغ بھی ملتا ہے۔

## فلسفہ "ویشکا" (VAISESIKA)

سنسکرت کا لفظ "ویش" ویشکا کا ماخذ ہے جس کے لغوی معنی ان خواص کے ہیں جو کسی خاص شے کو دوسری اشیاء سے ممتاز کرتے ہیں۔ "ویشکا سوترا" کی مصنف کنادرا نے اس فلسفے کے بنیادی تصورات کو قلم بند کیا ہے۔ اس کے مطابق متغیر مادی دنیا جواہر کے ملاپ سے پیدا ہوئی جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ عقل کی مدد سے ہم بے ربط چیزوں کی تزئین و ترتیب کرتے ہیں۔ حقیقت کا معیار یہ ہے کہ جب موضوعی فکر کا تعلق معروضی دنیا سے ہو تو حقیقت کا اظہار وجود کے حوالے سے ہوتا ہے۔ جو شے "حقیقی" ہے' اس کا وجود بھی ہوگا اور اسے جاننا بھی ممکن ہوگا۔ جب ہماری اندرونی اور بیرونی دنیا میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

عقلی موشگافیاں اور مابعد الطبیعیاتی مفروضے "ویشکا" نظریات میں اتنی اہمیت کے حامل نہیں۔ ان کی توجہ زیادہ تر انسانی زندگی کے بنیادی مقاصد پر مرکوز رہی ہے۔ ان کا بنیادی مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ فطرت کی اساس اور ماہیت کیا ہے۔ ان کی نظر میں فلسفیانہ بصیرت کے عملی پہلو زیادہ اہم ہوتے ہیں' چنانچہ وہ تجربات کے تجزیے اور تحلیل و ترکیب پر زیادہ زور دیتے ہیں تاکہ اشیاء کی اصل حقیقت کو عقلی طور پر بیان کیا جاسکے۔

فلسفہ ویشکا مادی دنیا کو آٹھ (۸) بنیادی جواہر (SUBSTANCES) میں تقسیم کرتا ہے یعنی آگ' پانی' ہوا' مٹی' زمان' مکان' روح اور نفس۔ یہ عناصر چیزوں کو وجود میں لانے کا سبب بنتے ہیں' اور ان سے آگے عقل اور ذہن کی رسائی ممکن نہیں۔ کنادرا نے زندگی کے بارے میں مغالطوں کو سادہ اور دلنشین پیرائے میں بے نقاب کیا ہے۔ اس کے خیال میں غیر مرئی طاقتیں

اثر انداز ہوتی ہیں۔ جو کثرت ہمیں بظاہر نظر آتی ہے، دراصل انہی آٹھ (۸) جواہر کے مختلف مظاہر ہیں۔ ان بنیادی حقائق کا ادراک ہمیں نجات (مکتی) کے حصول کی راہ دکھا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ سات پدارتھ (CATEGORIES) کا ذکر بھی ملتا ہے، یعنی گن (GUALITY) کرما (ACTION)، ویسیسا (INDIVIDUALITY)، سموایا (NECESSARY RELATION)، سمانیا (UNIVERSALS) ابھاوا (NEGATION) اور دراویا SUBSTANCE

ویشیشکا فلسفے میں کائنات کی ساخت کو جواہر کے حوالے سے واضح کیا جاتا ہے۔ دنیا کی اساس ان معین پرمانو (ATONS) پر قائم کی گئی ہے جو غیر مرئی اور تقسیم ناپذیر ہیں۔ انہیں خود تو بقائے دوام حاصل ہے لیکن ان کے مجموعے کے بارے میں یہ کہنا سہل نہ ہوگا۔ مان (MANAS) یا نفس کو بھی ایک نہایت معین پرمانو کے طور پر لیا جاتا ہے جس کی مدد سے ایک وقت میں محض ایک خیال (SENSATION) روح (SOUL) تک منتقل ہو سکتا ہے۔ بنیادی طور پر ویشیشکا ثنویت (DUALISM) کا فلسفہ پیش کرتا ہے جس میں جواہر (پرمانو) اور ارواح، دونوں کو دوام حاصل ہے۔

## فلسفہ سانکھیہ (SANKHYA)

کپیلا نامی ایک مصنف نے اپنی تحریر "تت سماسو" میں فلسفہ سانکھیہ کے بنیادی افکار تحریر کیے ہیں۔ "لفظ سانکھیہ" سے مراد وہ علم ہے جو ہمیں روح اور مادے میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ اس علم کی مدد سے مکتی (نجات) کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ اس فلسفے کے مطابق اگر دکھ روح کا خاصہ ہے تو پھر روح کی تلاش عبث ہے، چنانچہ یہ بات طے شدہ ہے کہ روح مصائب سے مبرا اور بالاتر ہے۔ یہ محض جسم کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ جسم اور روح کے قریبی تعلق کی بنا پر رنج والم پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہمیں روح کی حقیقت کا علم ہو جاتا ہے تو اسیری کا اختتام اور مکتی (نجات) کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔ روح کی نجات علم پر اور اسیری لاعلمی (اگیان) پر منحصر ہے۔ جسم اور روح میں تمیز کرنے والا علم روح کو ہمیشہ کے لیے مصائب سے آزاد کر دیتا ہے۔

حقیقت پسندانہ ثنویت (DUALISTIC REALISM) پر مبنی فلسفہ سانکھیہ مادے اور روح، دونوں کو بنیادی حقیقت کے طور پر تسلیم کرتا ہے، لیکن اگر ہم خودی اور ذات کے حوالے سے دیکھیں تو اس میں کثرت جوہر (PLURALISM) کا زیادہ عمل دخل نظر آتا ہے جس کے مطابق روح ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فلسفہ ہر قسم کی وحدت سے انکار کرتا ہے خواہ وہ مادی ہو یا روحانی۔ کپیلا کے خیال میں نہ صرف بھگوان کو ثابت کرنا ناممکن ہے بلکہ

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. © 2002-2006

اس کا غیر متحرک وجود اس متحرک دنیا کے خالق کے طور پر بھی ثابت نہیں ہوتا۔

فلسفہ سانکھیہ کی بنیاد دو اصولوں پر قائم ہے۔ پہلا اصول پروشہ (PARUSA) یا آفاقی روح (PURE SPIRIT) کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جو برہمہ' وشنو' شیوا اور درگا سے مشابہ ہے۔ پروشہ ہی مادے میں زندگی کی روح پھونک کر شعور و آگہی کا سبب بنتی ہے۔ ارواح بے شمار ہیں جو خالص عقلی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہر روح غیر مرئی' آزاد' غیر مشروط اور لافانی ہے جو اظہار کے لیے مادے (MATTER) کی محتاج ہے۔ دوسرا اصول پراکرتی (PRAKRTI) یا بے جان مادے (LIFE- LESS MATTER) کا ہے اور اسی وجود اول سے اس مادی دنیا کی بنیاد پڑی۔ یہ ہمہ گیر وجود تین گنوں (GUNAS) کا مرکب ہے۔ پراکرتی کے یہ بندھن ستیہ (SATYA) یعنی سچ' رجس (RAJAS) یعنی فعالیت اور تمس (TAMAS) یعنی مدافعت پر مشتمل ہیں جو بالترتیب نفس کی پاکیزگی' جذبات کی فعالیت اور جہالت کی کثافتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ان گنوں کے توازن اور تناسب سے ہر مادی شے کے تشخص کا تعین ہوتا ہے' تاہم ان تین عناصر کا مکمل توازن ممکن نہیں اور کبھی ایک گن اور کبھی دوسرا غلبہ حاصل کرتا رہتا ہے' چنانچہ مادی دنیا ہر لحہ تغیر کا شکار ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی "پراکرتی" کے "چکر" میں الجھ جاتا ہے جس سے چھٹکارا "پروشہ" کے بغیر ممکن نہیں۔

فلسفہ سانکھیہ یہ نہیں بتاتا کہ جسم کا روح سے تعلق کیسے قائم ہوتا ہے' تاہم اس تعلق کو روح کی مدد سے ختم کرنے کا ذکر ملتا ہے جسے نجات یا مکتی (SALVATION) کا نام دیا گیا ہے۔ جب جسم فنا ہو جاتا ہے تو روح کو نجات مل جاتی ہے۔ اس فلسفے میں "روح" کو خودی یا ذات کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے جو حقیقی' ازلی اور ابدی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ پروشہ یا روح کا مکمل ادراک انسان کو مادی وجود سے بالکل بے نیاز کر دیتا ہے حتیٰ کہ موت کے نتیجے میں مادی عناصر نیست و نابود ہو جاتے ہیں جبکہ روح' پراکرتی کے بندھنوں سے آزاد ہو کر بھی اپنا وجود قائم رکھتی ہے۔

## فلسفہ "یوگ" (YOGA)

"یوگ" لغوی معنی "تعلق جوڑنے" یا "تعلق پیدا کرنے" کے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس سے مراد انفرادی روح اور آفاقی روح کا آپس میں ملاپ ہے۔ پتنجلی (PATANJALI) "یوگ سوتر" میں یوگا کا بنیادی مقصد ایسا علم قرار دیتا ہے جو پراکرتی سے آزادی دلوا سکے' اور یہ نجات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم جذبات اور خواہشات کو مغلوب کر کے مکمل سکون

حاصل نہ کرلیں۔ یہ فلسفہ اس قدر مقبول ہوا کہ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی اس کے مذہبی اور معاشرتی اثرات مرتب ہوئے۔

فلسفہ سانکھیہ اور یوگ ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں۔ ایک نظری ہے دوسرا عملی' سانکھیہ آفاقی روح کو مرکز بناتا ہے جبکہ یوگ کا تعلق زیادہ تر انفرادی روح سے ہے۔ دراصل فلسفہ یوگ اپنی نظری بنیاد کے لیے سانکھیہ سے نظریہ علم (EPISTEMOLOGY) اور مابعدالطبیعیات (METAPHYSICS) مستعار لیتا ہے۔ دونوں فلسفوں میں روح حقیقی نقائص سے پاک اور غیر متغیر ہے لیکن جب مختلف صورتوں میں عقل کے آئینے سے منعکس ہوتی ہے تو متحرک نظر آتی ہے۔ اس کو وہ چاند اور آب رواں کی مثال سے واضح کرتے ہیں۔ جب چاند بہتے پانی میں منعکس ہوتا ہے تو تیزی سے متحرک نظر آتا ہے۔ جو تغیرات ظاہر ہوتے ہیں' انہیں ذہنی کیفیات کا نام دیا جاتا ہے۔ ان میں شناخت' فریب نظر' تصور و خیال' غفلت' غنودگی اور حافظہ وغیرہ شامل ہیں۔

استغراق کے منضبط قواعد و ضوابط کی تشکیل کو یوگا کہتے ہیں جس کے معنی "ضبط نفس" کے ہیں۔ یہ حواس اور ذہنی افعال کو دبا کر روح کی خود آگاہی میں سہولت پیدا کرتا ہے۔ اس فلسفے میں جسمانی صحت' فکر کی پاکیزگی' تفکر' توجہ اور مراقبہ یوگا مشقوں کے بنیادی عناصر میں سے ہیں۔ ان مشقوں سے اعضاء روح کے تابع ہو جاتے ہیں اور ایک اعلیٰ سطح پر مکمل خود سپردگی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ دراصل یوگا مشقوں کے دوران توجہ کا مرکز ایسی ذات یا نقطہ ہونا چاہیے جو لطیف' کامل اور نقائص سے پاک ہو۔۔ یوگی (YOGI) کا ارادہ مضبوط اور خالص ہونا چاہیے۔ فکر کی ان مشقوں کے لیے ایک کامل راہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ یوگا مشقوں کے مندرجہ ذیل مراحل ہیں:

۱۔ یام (YAMA) یعنی ممنوع چیزوں سے پرہیز اس کے تحت اہنسا (بے آزاری)' ستیہ (سچائی' استیہ (دوسروں کے حقوق کا لحاظ) اور برہما چاریہ (سوائی پن سے نجات) جیسے متعلقات کو اہمیت حاصل ہے۔

۲۔ نیام (NYAMA) یعنی ظاہری و باطنی پاکیزگی۔ غلط اور ناقص افکار سے پرہیز۔

۳۔ آسن (AASANA) یعنی صحیح نشست جو استغراق کے لیے لازمی ہے۔

۴۔ پرانا یام (PRANA YAM) یعنی سانس روکنے (دم کشی) کی کٹھن مشق جس کے بعد ہی مراقبے کی منزل پر پہنچا جاسکتا ہے۔

۵- پرتی ہارا (PRATY HARA) یعنی حواس خمسہ پر کنٹرول تاکہ خارجی عناصر کی مداخلت سے بچا جاسکے۔

۶- دھارن (DHARANA) یعنی توجہ مرکوز کرنا۔ (ارتکاز کے لیے کسی بیرونی مرکزے کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔)

۷- دھیان (DHIANA) یعنی مراقبہ یا فکری ارتکاز۔ ایسی ذہنی کیفیت جس میں خارجی اور داخلی عوامل کی ہر قسم کی مداخلت ختم ہو جاتی ہے۔

۸- سمادھی (SAMADHI) یعنی اپنی ذات کا احساس و ادراک باقی نہ رہنا اور یوگی کا اپنی ذات سے بیگانہ ہو کر خدا کی ذات میں مستغرق ہو جانا۔

"یوگ" ایک عملی فلسفہ ہے جس کا مقصد انسان کو مادی اور روحانی آلودگیوں سے نجات دلانا ہے تاکہ وہ حقیقت مطلقہ تک پہنچ سکے' اور یہ اس وقت ممکن نہیں جب تک انسان اپنے نفس کو زیر نہ کرلے۔ اس مقصد کے لیے یوگا کی مشقوں کا ایک نظام وضع کیا گیا جو مختلف شکلوں میں آج بھی دنیا کے بہت سے ممالک میں مروج و مستعمل ہے۔

## فلسفہ میمانسا پروا (MIMANSA-PURVA)

فلسفہ میمانسا میں ویدوں کے بعض قدیم نظریات کی عقلی توجیہہ کی کوشش کی گئی ہے۔ "میمانسا" کے لغوی معنی سوچنے یا تحقیق کرنے کے ہیں۔ اصطلاحی مفہوم میں یہ فکری کاوش ویدوں کے بارے میں تحقیق سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ فلسفہ ویدوں کو الوہی اور آفاقی مرتبہ تفویض کرتے ہوئے انہیں ہر قسم کے نظری ضعف سے عاری' مکمل اور دائمی روحانی نسخے قرار دیتا ہے۔

"میمانسا پروا" کائنات کو قائم و دائم قرار دیتا ہے جو نہ تو فنا ہوگی اور نہ اسے دوبارہ تخلیق کیا جاسکتا ہے۔ اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) وہ افعال جو ویدوں کے احکامات کی بجا آوری میں سرانجام دیے جائیں' مثلاً قربانی' جس سے انسان سورگ (بہشت) کا استحقاق حاصل کرلیتا ہے۔ (۲) ایسے اعمال جو ویدوں کی تعلیمات میں ممنوع قرار دیے گئے ہیں اور اگلے جنم میں رنج و الم اور دکھ درد پر منتج ہوتے ہیں۔ انسان کے وجود کا جواز اس کے اعمال میں مضمر ہے۔ عمل کے بغیر علم لاحاصل اور حصول راحت محال ہے حتیٰ کہ انسان کے لیے اپنے نصب العین کو پالینا بھی ممکن نہیں رہتا۔ تمام اعمال و افعال پر دو قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں' ایک داخلی--- دوسرے خارجی۔ داخلی اثرات ابدی ہوتے ہیں جبکہ خارجی اثرات وقتی اور عارضی۔ انسانی زندگی

کا مقصد مکتی (SALVATION) کا حصول ہے۔ نجات محض علم کی بنا پر نہیں ملتی۔ اس کے لیے لازم ہے کہ روح اپنی صلاحیتوں کے ممکنات کو' عملی شکل میں' حقیقت کے روپ میں بدل دے۔ "میمانسا" کا رجحان فلسفیانہ موشگافیوں کے بجائے زندگی کے عملی اور اخلاقی پہلوؤں کی طرف زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے وید کے حوالے سے یہاں اعمال کی جزا کا ذکر بھی بار بار ملتا ہے۔ اس نظریے کے پیرو کار ایک بھگوان میں یقین نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ارواح لاتعداد ہیں جن کا وجود ازلی اور ابدی ہے۔ وہ اس قانون کو دوامی مانتے ہیں جو کائنات میں جاری و ساری ہے' چنانچہ وید کے احکام کی تعمیل ہمارا فرض ہے' نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔

"میمانسا پروا" کے افکار و نظریات دیگر ہندو فلسفوں سے مستعار لیے گئے ہیں۔ یہاں حقیقت مطلقہ' روح اور مادے جیسے مابعد الطبیعیاتی تصورات کا فلسفیانہ تجزیہ پیش کرنے کے بجائے ان کے درمیان وجہ مشترک تلاش کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "میمانسا" کے نظریات کی تشریح کے لیے دوسرے مکاتب فکر کا حوالہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اچھے افعال اور نیک اعمال کے متعلق اس کے افکار "نیائے" اور "و-شکا" سے ماخوذ ہیں جبکہ شعور کے ارتکاز کے بغیر افعال و اعمال کی لغویت اور بے معنویت کا تصور فلسفہ "سانکھیہ" اور "یوگا" سے اخذ کیا گیا ہے' تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ میمانسا صرف انہی افکار کو قبول کرتا ہے جو اس کے خصوصی مقاصد کے حصول کے لیے مددگار ہوں' فلسفہ "میمانسا" کی اہمیت اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ آج بھی ہندوؤں کی روزمرہ زندگی پر اس کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔

## فلسفہ "ویدانت" (VEDANTA-SUTRAS)

ویدانت (VEDANTA) کے لغوی معنی "وید کا آخری حصہ" کے ہیں۔ یہ ان عقائد اور نظریات پر مبنی ہے جو ویدوں (VEDAS) کے آخری ابواب میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس فلسفے کی اہم کتاب "برہمہ سوتر" (BRAHMA SUTRAS) عموماً بدریانہ (BADARA YANA) کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مصنفین مختلف اوقات میں اس کی تالیف و تصنیف میں شریک رہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ کتاب عیسوی دور کے اوائل میں لکھی گئی۔ شنکراچاریہ ۸۰۰ عیسوی کا شمار دنیا کے عظیم حکماء میں ہوتا ہے۔ اس نے دس (۱۰) اپنشدوں' بھگوت گیتا اور برہم سوتر کی شرحیں لکھیں ہیں۔ شنکر' علم (ودیا) کی دو اقسام کا ذکر کرتا ہے۔ (۱) نرگن (بغیر صفات کے' مطلق یا مابعد الطبیعیاتی علم) جسے صرف بعض گنے چنے لوگ ہی حاصل کرسکتے ہیں۔ (۲) سوگن (اضافی علم یا کم درجے کا علم) ان لوگوں کے لیے ہے جو صرف

مادی حواسوں سے کسی چیز کو سمجھ سکتے ہیں۔ شنکر اچاریہ نے وید کی تعلیمات کو اس ارفع علم کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے جس میں خالق اور مخلوق کا فرق مٹ جاتا ہے اور فرد محسوس کرتا ہے کہ وہ خود برہمہ ہے۔ اس کے برعکس اس مادی دنیا یا مایا جو بظاہر نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں ''نہیں'' ہے' کے علم کو اودیا کہتے ہیں۔

بدریانہ کا دعویٰ ہے کہ عقل انسانی حقیقت مطلقہ (برہمہ) کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ برہمہ کو ہم صرف وجدان ہی کے ذریعے جان سکتے ہیں۔ کوئی منطقی استدلال یا فلسفیانہ اصول ہماری راہنمائی نہیں کرسکتا۔ عقل کی مدد سے ہم دنیا کے مسائل کا حل تو تلاش کرلیتے ہیں لیکن ماورا کی سطح پر برہمہ کی حقیقت عقل کی پہنچ سے باہر ہے۔ یہاں وجدانی یا شروتی علم ہی کارگر ہوسکتا ہے۔

فلسفہ ''ویدانت'' کا بنیادی مسئلہ برہمہ (خدا) جیو آتما (روح) اور مایا (کائنات) کے آپس میں تعلق کا مسئلہ ہے۔ برہمہ ایک ازلی حقیقت ہے جس سے کائنات کا ظہور و صدور ہوا ہے۔ یہ حقیقت واجب الوجود ہے اور صرف یہی ہستی ''ست'' (الحق) ہے۔ ازلی' ابدی اور محیط کل ہے۔ کوئی شے ایسی نہیں جس کی بنیاد برہمہ نہ ہو۔ کائنات حقیقت نہیں لیکن وہ معدوم بھی نہیں۔ کائنات بظاہر نظر آتی ہے لیکن اس کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ یہ حواس سے تو محسوس ہوتی ہے لیکن حقیقت میں یہ ''موجود'' نہیں بلکہ ''موہوم'' (فریب نظر) ہے۔ شنکر اچاریہ کے خیال میں یہ اسی طرح ہے کہ اندھیرے میں رسی کو سانپ سمجھ لیا جائے۔ اسی طرح انسان کم علمی کی وجہ سے جسے کائنات سمجھ رہا ہوتا ہے' وہ دراصل برہمہ کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس آتما (روح) فریب نظر نہیں بلکہ خود برہمہ ہے۔ وہ صرف ایادھی (تعین کی خاطر) برہمہ سے علیحدہ نظر آتی ہے۔ یہ پردہ بھی کم علمی کا رہین منت ہے کہ انسان اپنی ذات کو غیر حق سمجھنے لگتا ہے۔ جہالت کے اس پردے کو دور کرنے کے لیے شنکر اچاریہ دو طریقے بیان کرتا ہے:

۱۔ ویراگ۔ ان باتوں سے پرہیز جو انسان کو خدا سے غافل کردیں۔

۲۔ تزکیہ نفس

نفس کی تربیت کے تین مراحل ہیں:

۱۔ مرشد کامل کی صحبت (ب) ذکر و فکر (ج) دھیان یا مراقبہ۔

اودیا (جہالت) کو دور کرنے کا یہ لائحہ عمل انسان کی ذاتی اور معاشرتی زندگی پر حاوی ہے جس میں مادی لذتوں سے کنارہ کشی' سکون قلب' یکسوئی اور ذوق یقین سے لے کر نفس کی تربیت کے تمام مراحل کو عبور کرنا لازمی قرار پاتا ہے۔ آخر کار جب کوئی فرد ذات حقیق کا مشاہدہ کرلیتا

ہے تو "جیون مکت" ہو جاتا ہے اور اسے حقیقی مکتی (آزادی) مل جاتی ہے۔

برہمہ کی دید حقیقی سکون و انبساط کی حامل ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ مختلف دنیاوی حدود و قیود' احتیاجات اور خوف و تردد سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس سطح پر برہمہ کا شاہد خود برہمہ بن جاتا ہے اور اس کی نظر میں ہر شے برہمہ کا مظہر ہوتی ہے۔ فنائے خودی میں انسان اپنے اصلی جوہر سے محروم نہیں ہوتا بلکہ کثافتوں اور آلودگیوں سے مبرا ہو کر نجات (مکتی) حاصل کرتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ابتدائی مراحل میں "یوگا" اور عبادت' اور اس کے بعد فرد کی ذات سعی و عمل بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

## قرون وسطیٰ کا فکری پس منظر

گیتا کے عہد سے لے کر شری شنکر اچاریہ کے دور تک' ہندوستان کے فلسفے پر ابتدائی ہندو فکر کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ ۸۰۰ عیسوی کے بعد آنے والے اکثر ہندو مفکرین اور مذہبی پیشواؤں کے نظریات پر اسلامی تعلیمات کی گہری چھاپ ہے۔ یہ وہی دور ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا کہ "آٹھویں صدی عیسوی میں ہندو فلسفہ زوال کی جانب گامزن تھا اور اس میں کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔" اس صدی کے آخری سرے تک فکری اور معاشرتی سطح پر اسلامی تعلیمات اور مقامی عقائد کا باہم ٹکراؤ شروع ہو چکا تھا اور مسلمانوں کی تبلیغی اور تجارتی جماعتوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کام شروع کر دیا تھا۔ مسلمان سپہ سالار محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں اور محمود غزنوی نے دسویں صدی عیسوی میں ہندوستان پر حملوں اور فتوحات کا سلسلہ شروع کیا جو بالآخر سترہویں صدی میں ایک عظیم الشان اسلامی مملکت' سلطنت مغلیہ کے قیام کی صورت میں بام عروج پر پہنچا۔ اس ہزار سالہ ہندو۔ مسلم قرابت اور اتصال نے دور رس اثرات مرتب کیے' خصوصاً خدا کی وحدانیت اور بنی نوع انسان کے عالمگیر بھائی چارے کی اسلامی روایت نے ہندوؤں کے بت پرستی اور ذات پات کے نظام کو بری طرح متاثر کیا' چنانچہ شنکر اچاریہ (SANKARA)' راما نوج (RAMANUJA) جو ۱۰۶۱ء میں پیدا ہوا' راما نندہ (RAMANANDA) جو پندرہویں صدی عیسوی کا ایک اہم مفکر تھا' بھگت کبیر ۱۴۴۰ء - ۱۵۳۸ء اور نانک ۱۴۶۹ء - ۱۵۳۸ء اور دوسرے بہت سے اکابرین اسلامی نظریات کے زیراثر آئے' اور شعوری یا غیر شعوری طور پر' اپنے افکار و عقائد میں' ان کا اسلام کی طرف ایک واضح جھکاؤ نظر آتا ہے۔

## "سکھ" فلسفہ

"سکھ" فلسفہ اسلامی نظریات' عقائد اور افعال' اور قدیم ہندو فکر اور ویدوں کی تعلیمات کے باہم امتزاج سے وجود میں آیا۔ ایک طرف تو اس میں خدا کی وحدانیت پر خصوصی زور دیا گیا ہے اور دوسری طرف ہندو فکر سے اخذ کردہ اصطلاحات و تصورات کا وافر استعمال نظر آتا ہے۔ "آواگون" کی ایک خاص تشریح سے بھی یہاں اتفاق کیا گیا ہے لیکن زندگی کے بارے میں ایک مثبت رویہ اور بت پرستی اور ذات پات کے نظام کے خلاف اس کا ردعمل' روایتی ہندومت اور سکھ مذہب کے درمیان ایک واضح تفاوت کو ظاہر کرتے ہیں۔

"گرو نانک" کی منظوم کتاب "گرو بانی" (GURUBANI) سکھ مذہب کی بنیادی کتاب ہے۔ بعد میں آنے والے نو (۹) گرو اس کی تشریح و تاویل کرتے ہیں۔ گروگوبند سنگھ ۱۶۶۶ء-۱۷۰۸ء اس مکتبہ فکر کے آخری گرو سمجھے جاتے ہیں۔ سکھوں کی اکثر مذہبی کتب بشمول "گرنتھ صاحب" میں فکرو نظر کا اظہار شعری زبان میں کیا گیا ہے اور ان کے فلسفیانہ اور مذہبی افکار کی بنیاد بھی منطق کی جگہ شعری زود فہمی اور الہامی بصیرت پر قائم کی گئی ہے۔ گرونانک کی فکر میں فلسفہ' مذہب اور اخلاقیات آپس میں ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علم' حقیقت' خدا اور خیر کو ایک ہی وحدت کے مختلف پرتو سمجھتا ہے۔ ست (SAT) یعنی حقیقت' ست نام (SAT-NAM) یعنی خدا اور ست اکار (SAT-ACAR) یعنی اچھے اعمال (خیر) آپس میں مربوط و مبسوط ہیں۔ "نانک" اعمال کی اچھائی یا قدر (VALUE) کے حوالے سے نیک اعمال کو حقیقت (TRUTH) سے بھی ارفع سمجھتا ہے۔

سکھ مفکرین' دیوتاؤں کی کثرت کے بجائے خدائے واحد پر یقین رکھتے تھے۔ گرونانک کے نزدیک کائنات میں موجود' عیاں اور نہاں' تمام چیزوں کا خالق خدا ہے۔ اسے تخلیق کے عمل میں کسی وسیلے کی ضرورت نہیں۔ پراکرتی' مایا' گن' دیوی' دیوتا سب خدا کے حکم سے وجود میں آئے ہیں' اور وہ خود واجب الوجود اور قائم بالذات ہے۔ شر کے وجود کے بارے میں مختلف النوع آراء پیش کی گئی ہیں اور خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ کرتار (CREATORS) متصور کرتے ہوئے خیر کے خالق' خدا کو شر کے خالق' شیطان پر حاوی قرار دیا گیا ہے۔ بعض شارحین شر کو مایا یا التباس و سراب قرار دیتے ہوئے اسے "لاوجود" کہتے ہیں۔ شر کو خیر کی راہ میں رکاوٹ کے طور پر انسان کے روحانی ارتقاء و استقامت کا ذریعہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ توجیہات سکھوں کے نظریہ خدا کے بنیادی تاروپود کو متاثر نہیں کرتیں۔ وہ موجود و ماورا مطلق کے' وجود حقیقی ہونے کے بارے میں کسی تشکیک کا شکار نہیں ہوتے۔ سکھ عقیدے کے مطابق خدانے اپنی قدرت

سے انسان اور کائنات کی تخلیق کی ہے — اور حقیقت اولیٰ کا ادراک ہی انسانی زندگی کا منتہائے مقصود ہے۔

سکھ عقیدے کے مطابق خدا تعالیٰ تخلیق کے ذریعے ارادے کا اظہار کرتا ہے۔ تمام چیزیں اس کے "حکم" سے پیدا ہوتی ہیں۔ خدائی حکم کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کائنات کب اور کیسے پیدا ہوئی' اور نہ ہی اس کی تخلیق کے وقت کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ کچھ مفکرین مادے کے وجود کا انکار کرتے ہیں لیکن سکھ گرو اسے حقیقی اور متغیر تصور کرتے ہیں۔ اس کا خالق خود حقیقی ہے اور وہ حقیقی چیزوں کی تخلیق کرتا ہے۔ تمام اشیاء کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ انسان کی اپنی تخلیق کا مقصد اس وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ اپنی خودی (I-AM NESS) کو ختم کر کے حقیقت اولیٰ میں گم ہو جاتا ہے۔

انفرادی شخصیت کے بارے میں سکھ فلسفی خصوصاً وی یوگ (VIYOGA) یعنی انفعال (SEPATION) اور سم یوگا (SAMYOGA) یعنی وصال (UNION) کے حوالوں سے بات کرتے ہیں۔ خودی کے تحفظ کی کوشش میں علیحدگی کا عمل حرص' لالچ اور کشمکش میں مبتلا کر دیتا ہے اور انسان "میرا" (MINE) کی حفاظت کرتے کرتے "کیا" کے حصار میں پھنس جاتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ خودی (EGO) یا انفرادی شخصیت خدا کی "بحرِ بے کراں ذات" میں ایک بلبلے کے مانند ہے۔ یہ انفرادی شخصیات (EGOS) ایک ہی خدا کے نور سے منور ہیں۔ اس حقیقت تک رسائی کا عمل "سم یوگا" کہلاتا ہے اور یہی بنی نوع انسان کا مقصد اعلیٰ ہے۔

زندگانی کا دائرہ "وی یوگا" سے "سم یوگا" کی طرف ایک سفر کے مانند ہے جس میں منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے "گرو" کی رہنمائی ازحد ضروری ہے۔ ہماری روح قانون کرم کے طابع ہے اور آواگون سے نجات کے لیے گرو پر مکمل اعتماد اور اس کی پیروی اور اطاعت شعاری کے ذریعے انسان کے لیے اپنی خودی (انا) سے نجات حاصل کرنا لازم ہے۔ وہی شخص قرب الٰہی کے حصول میں کامیاب ہوتا ہے جو کسی بدلے یا معاوضے کی خواہش کے بغیر گرو کی رہنمائی میں اپنے ذہن اور روح کو ہری (HARI) یعنی خدا کی ذات پر مرکوز کر دیتا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے سکھ مذہب میں یقین' ارتکاز توجہ' ذہنی سکون اور آفاقی محبت کے تصورات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان خواص کے حصول کے لیے انسان کو ست سنگ (SAT-SANG) یعنی راست بازوں کی صحبت' کیرتن (KIRTANA) کے سماع اور ذکر سے بڑی مدد مل سکتی ہے' اور بالآخر وہ "سم یوگ" حاصل کر لیتا ہے۔ اس مقام پر انسان رنج اور خوشی' نیکی اور بدی کی سطح سے اوپر

چلا جاتا ہے جہاں سکون اور آنند کی کیفیت کاملہ کا دور دورہ ہوتا ہے اور جسے بیان کرنا الفاظ کے حیطہ اختیار میں نہیں۔ ایسی کیفیت کو وہی محسوس کرسکتا ہے جس پر یہ وارد ہوئی ہو۔

## عصر جدیت کا ہندو فلسفہ

فلسفہ ہندو کا ازمنہ وسطیٰ سے عصر جدید تک سفر' اسلامی غلبے اور مغربی تسلط کے آغاز کی وجہ سے' مقامی تناظر میں نامساعد سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلامی فکر نے ہندوستان میں مذہب اور فلسفے کو بلاشبہ ایک مثبت سوچ سے متعارف کرایا۔ اسی طرح دوسرے بیرونی عوامل نے بھی ہندومت کے جامد' فرسودہ اور منفی نظام فکر میں جدت پسندی کا عنصر شامل کر کے ایک محرک کا کام کیا۔ جدید ذرائع ابلاغ اور تعلیمی سہولتوں کے فروغ نے ہندو معاشرے میں صدیوں سے رائج ذات پات اور ستی (SATI) جیسی ظالمانہ رسوم و رواج کا زور توڑنے میں مدد کی۔ انہی اثرات کے تحت ہندوستان میں کئی فکری تحریکوں نے جنم لیا جن کا مقصد مذہبی' سماجی اور معاشی اصلاح تھا۔ ان میں رام موہن رائے ۱۷۷۲ء -۱۸۸۳ء کی برہمہ سماج (BRAHMA-SAMAJ) اور سوامی دیانندا سرسوتی (۱۸۸۳-۱۹۲۴ء) کی آریہ سماج (ARYA SMAJ) زیادہ مشہور ہیں۔

عصر جدید کے فکری تناظر میں ایک طرف موہن رائے اور سرسوتی' اسلام اور عیسائیت کے زیر اثر اصلاح احوال کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں تو دوسری طرف رام کرشن (RAMA KRISHNA ۱۸۸۶-۱۸۳۴ء) مختلف مذاہب کی مشترکہ بنیاد کو قدیم وید کے حقیقت واحد کے تصور میں تلاش کرتا ہے۔ اسے کامل یقین تھا کہ تمام مذاہب ایک ہی منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کی ذاتی زندگی اسلام اور عیسائیت' دونوں سے متاثر ہوئی اور شنکر کے غیر ثنویہ (NON-DUALIST) ویدانت میں اسے زیادہ سچائی کا احساس ہوا۔ بعد کے دور میں' گاندھی (۱۸۶۹- ۱۹۴۸ء) کے فلسفے میں مذہب اور سیاست کا ملاپ' ترک دنیا اور عدم تشدد کے حوالے سے ہوا اور اسے عوام الناس میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ تاہم ذات پات اور چھوتوں کے بارے میں اس کے نظریات اسے بھی ہندوستان کی اصلاحی تحریکوں کے قریب لے آتے ہیں۔ اسی دور میں شری آروبندو ۱۸۷۲- ۱۹۵۰ء (SIR AURTOBINDO) نے ایک نئے طرز کے محتوی اور مرکب یوگا (INTEGRAL YOGA) کی طرح ڈالی جس میں خارجی اور داخلی تفکر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس کی فکر میں مادی دنیا کی نفی کا کوئی تصور موجود نہیں اور اس کا ارتقائی نظریہ جدید سائنس کے ساتھ ہندو عقائد کے سمجھوتے کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

عصر حاضر کی ہندوستانی فکر میں ٹیگور (RABINDRNMATH TAGORE) کو ایک اہم

مقام حاصل ہے۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر تھا' لیکن اس نے زندگی کے بارے میں ایک مربوط نظریہ پیش کیا۔ وہ جوہر کی وحدت میں یقین رکھتا تھا۔ اس کی نظر میں یہ دنیا حقیقی وجود کی حامل ہے اور محض مایا یا خیالی پیکر نہیں۔ خدا اپنی تخلیق کے ذریعے اپنی ہستی کا اظہار کرتا ہے۔ ظاہری افراتفری اور تصادم کے پس پردہ خدا کے تخلیقی فعل کا حسن اور ہم آہنگی کار فرما ہیں۔ ٹیگو کا مختار کامل (ABSOLUTE) کا تصور ایک فرد اعلیٰ کے نمونے پر وضع کیا یا ہے جس میں ذاتی تشخص ایک اہم حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ تخلیق کے عمل میں خدا کی ذات خود مصروف کار ہوتی ہے اور ایک محدود ہستی کے طور پر انسان کے لیے خدا کو غیر شخصی شکل میں سمجھنا ممکن نہیں۔

ٹیگور کے علاوہ ڈاکٹر بھگوان داس' پروفیسر بھٹ چاریہ اور ڈاکٹر رادھا کرشنن ہندوستان کے معاصر مفکرین میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ عمومی سطح پر ان کا فلسفہ شنکر کے نظریات کی تردید' تشریح یا تائید کرتا نظر آتا ہے۔ رادھا کرشنن کے فکر میں شنکر اور راما نوج کے نظریات کا امتزاج ملتا ہے لیکن شنکر کے دوسرے مقلدین کے برعکس وہ دنیا کو مایا یا غیر حقیقی تصور نہیں کرتا۔ وہ ایک اجتماعی نجات یا سروامکتی (SARVA- MUKTI) کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ رادھا کرشنن کے خیال میں خدا' انسان کے وسیلے سے دنیا میں بہتری پیدا کرتا ہے اور جب تک تمام انسان "مکتی" کے ذریعے حقیقت مطلقہ میں مدغم نہیں ہو جاتے' یہ دنیا قائم رہے گی۔

انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں انگریز تسلط کے دوران عموماً یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جدید مغربی تصورات پڑھے لکھے ہندوؤں کو دیومالائی مذہبی روایات سے دور لے جائیں گے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندو مت قدیم توہمات اور جادوئی ٹوٹکوں سے معمور تھا۔ ذات پات' بت پرستی اور مذہبی پیشواؤں کی ریشہ دوانیاں دراصل ایک رجعت پسندانہ سوچ کی نشاندہی کرتی ہیں' لیکن اس کے باوجود شنکر' راما نوج' گاندھی اور رادھا کرشنن کی سوچ کے مثبت پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم عصر جدید کی اصلاحی تحریکوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا عبث ہوگا کہ جدید ہندو فکر نے اپنی اصل سے ناتا توڑ لیا ہے۔ اس کے برعکس عصر حاضر کے ہندو مفکرین بڑی سرگرمی سے اپنے قدیم مذہبی نظریات کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ انگریزی زبان کی وساطت سے دور حاضر کا جو ہندو پیدا ہوا ہے' وہ بڑی سنجیدگی سے قدیم اپنشد اور ویدوں کے بنیادی تصورات اور عقائد کی دریافت اور کھوج کے علاوہ ان کی تطہیر و تبلیغ میں بھی مصروف نظر آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہندو مذہب اپنے اندر مختلف مذہبی عقائد اور عقلی تضادات کو سمونے کی بڑی گنجائش رکھتا ہے

لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ کم از کم عصر حاضر میں اس نے اپنا فکری تشخص قائم رکھا ہے خواہ اس کی بنیادیں غیر عقلی اور غیر منطقی مفروضوں پر قائم ہیں۔ حتیٰ کہ راما کرشن کا ویدانتی کا فلسفہ' سری آرو بندو کا ارتقائی مذہب اور کئی دوسری جدید ہندو تحریکیں دوسرے ملکوں کو برآمد کر دی گئی ہیں اور وہاں قدیم ہندو عقائد کے ترجمان یہ نظریات' ہندو فلسفے کی ترویج میں کامیابی سے مصروف عمل ہیں۔

٭٭٭

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006